حیلہء زکوۃ کے بارے میں امام ابو یوسف پر غیر مقلدین کے اعتراض کا جواب

رادع التعسف عن الامام ابی یوسف

۱۳۱۸ھ

تصنیف لطیف:

اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمہ

رسالہ

رادع التعسف عن الامام ابی یوسف ۱۳۱۸ھ

(حیلہ زکوٰۃ کے بارے میں امام ابویوسف پر غیر مقلدین کے اعتراض کا رد)

مسئلہ ۹: از گونڈہ ملک اودھ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ عبداللہ صاحب مدرس مدرسہ مذکور ۱۶ جمادی الآخرہ ۱۳۱۸ھ

کتاب غفر المبین مؤلفہ محی الدین غیر مقلد میں لکھا ہے کہ جناب قاضی ابویوسف صاحب آخرِ سال پر اپنا مال اپنی بی بی کے نام ہبہ کردیا کرتے تھے اور اس کا مال اپنے نام ہبہ کرالیا کرتے تھے تاکہ زکوٰۃ ساقط ہوجائے، یہ بات کسی نے امام ابوحنیفہ صاحب سے نقل کی انھوں نے فرمایا کہ یہ اُن کے فقہ کی جہت سے ہے اور درست فرمایا، چنانچہ اس امر کو ایک عالم صاحب مقلد نے بھی تصدیق کیا بلکہ یہ کہا اس معاملے کو امام بخاری صاحب نے بھی درج کتاب کیا ہے اور بہت نفرت کے ساتھ لکھا ہے اس کی تشریح وتوضیح مدلل ارشاد فرمائی جائے۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰھم لک الحمد صل وسلم علی سید انبیائک واٰلہ وصحبہ وسائر اصفیائک اسألک حبک وحب

اے اللہ تیرے ہی لیے حمد ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے سربراہ پر صلوٰۃ وسلام، ان کی آل واصحاب اور باقی تمام اصفیاء پر بھی۔ اے اللہ! میں آپ سے آپ کی

احبائك وحسن الادب مع جمیع اولیائك و اعوذبك من غضبك و سخطك و سوء بلائك ۔

محبت، آپ کے محبوبوں کی محبت اور آپ کے تمام دوستوں کے ساتھ حُسنِ ادب کا سوال کرتا ہُوں، اور آپ کے غضب، ناراضگی اور گرفت سے پناہ مانگتا ہُوں (ت)

اوّلاً صحیح بخاری شریف میں اوّل تا آخر کہیں اس حکایت کا پتا نہیں کہ امام ابویوسف اس کے عامل تھے امام اعظم مصدق ہوتے، امام بخاری نے صرف اس قدر لکھا کہ بعض علماء کے نزدیک اگر کوئی شخص سال تمام سے پہلے مال کو ہلاک کرڈالے یا دے ڈالے یا بیچ کر بدل لے کہ زکوٰۃ واجب نہ ہونے پائے تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا، اور ہلاک کرکے مرجائے تو اس کے مال سے کچھ نہ لیا جائے گا، اور سال تمام سے پہلے اگر زکوٰۃ ادا کردے تو جائز و روا۔ اُن کی عبارت یہ ہے:

وقال بعض الناس فی عشرین ومائة بعیر حقتان فان اهلکها متعمدا او وهبها او احتال فیها فرارا من الزکوٰة فلا شیئ علیه[1]

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ایک سو بیس ۱۲۰ اونٹوں میں دو حقے ہیں اور اگر انھیں عمداً ہلاک کردیا یا انھیں کسی کو ہبہ کردیا یا زکوٰۃ سے بھاگنے کے لیے کوئی حیلہ کرلیا تو اب مالک پر زکوٰۃ نہیں ہوگی (ت)

پھر کہا:

وقال بعض الناس فی رجل له ابل فخاف ان تجب علیه الصدقة فباعها بابل مثلها او بغنم او ببقر او بدراهم فرارا من الصدقة بیوم واحتیالا فلا شیئ علیه وهو یقول ان زکی ابله قبل ان یحول الحول بیوم او بسنة جازت عنه[2]

بعض لوگوں نے اس شخص کے بارے میں کہا جس کے پاس اونٹ ہوں وہ ڈرتا ہے کہ کہیں اس پر صدقہ لازم نہ ہوجائے پس وہ زکوٰۃ سے فرار اور حیلہ کرتے ہوئے ایک دن پہلے اس کی مثل اونٹوں سے بیچ دیتا ہے یا بکری یا گائے یا دراہم کے عوض بیچ دیتا ہے تو اب اس پر کوئی شئے لازم نہیں، اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر مالک نے اپنے اونٹ کی زکوٰۃ سال گزرنے سے ایک دن یا سال پہلے زکوٰۃ دے دی تو ادا ہوجائیگی۔ (ت)

پھر کہا:

وقال بعض الناس اذا بلغت الابل عشرین

بعض لوگوں نے کہا جب اُونٹ بیس ہوجائیں تو اس

---

[1] و [2] صحیح البخاری کتاب الحیل باب فی الزکوٰة وان لا یفرق الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۲۹

ففیھا اربع شیاہ فان وھبھا قبل الحول او باعھا فرارا او احتیالا لاسقاط الزکوۃ فلا شیئ علیہ وکذلک ان اتلفھا فمات فلا شیئ فی مالہ۔[1]

میں چار بکریاں لازم ہوں گی، اب اگر اسقاطِ زکوٰۃ کیلئے حیلہ کرتے ہوئے سال گزرنے سے پہلے ان اونٹوں کو ہبہ کردیا تو اب کوئی شے لازم نہ ہوگی، اسی طرح اگر مالک نے ہلاک کردیا اور مالک فوت ہوگیا تو اس کے مال میں کوئی شئی لازم نہ ہوگی۔ (ت)

اس میں نہ اُس حکایت کا کہیں نشان نہ امام اعظم خواہ امام ابویوسف کا نام، ایک مسئلہ میں بعض علماء کا طرف مذہب نقل کیا ہے کہ کوئی ایسا کرے تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔

ثانیاً ہمارے کتبِ مذہب نے اس مسئلہ میں امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کا اختلاف نقل کیا اور صاف فرمادیا کہ فتوٰی امام محمد کے قول پر ہے کہ ایسا فعل جائز نہیں۔ تنویر الابصار و درمختار و درر و غرر و جوہرہ وغیرہا میں ہے :

واللفظ للاولین (تکرہ الحیلۃ لاسقاط الشفعۃ بعد ثبوتھا وفاقا) کقولہ للشفیع اشترہ منی ذکرہ البزازی (واما الحیلۃ لدفع ثبوتھا ابتدأ فعند ابی یوسف لاتکرہ وعند محمد تکرہ، ویفتی بقول ابی یوسف فی الشفعۃ) قیدہ فی السراجیۃ بما اذکان الجار غیر محتاج الیہ واستحسنہ محشی الاشباہ (وبضدہ) وھوالکراھۃ (فی الزکوۃ) والحج وایۃ السجدۃ[2] جوھرۃ۔

پہلی دونوں کتب کی عبارت یہ ہے (ثبوتِ شفعہ کے بعد اسقاط کے لیے حیلہ کرنا بالاتفاق مکروہ ہے) مثلاً شفیع کے لیے یہ کہنا کہ وُہ چیز آپ مجھ سے خریدلیں۔ اسے بزازی نے ذکر کیا (لیکن ابتداءً عدمِ ثبوت کے لیے حیلہ کرنا امام ابویوسف کے نزدیک مکروہ نہیں، اور امام محمد کے ہاں مکروہ ہے، شفعہ میں امام ابویوسف کے قول پر فتوٰی ہے) سراجیہ میں اس قید کا اضافہ ہے کہ بشرطیکہ پڑوسی اس کا محتاج نہ ہو، محشی اشباہ نے اسے پسند کیا ہے اور زکوٰۃ، حج اور آیتِ سجدہ میں (اس کی ضد) بھی کراہت پر فتوٰی ہے، جوہرہ (ت)

ردالمحتار میں شرح درر البحار سے ہے : ھذا تفصیل حسن[3] (یہ تفصیل خوبصورت ہے۔ ت) غمز العیون

---

[1] صحیح البخاری کتاب الحیل باب فی الزکوۃ والایفرق بین مجتمع الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۲۹

[2] درمختار کتاب الشفعۃ باب ما یبطلھا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۶

[3] ردالمحتار " " مصطفی البابی مصر ۵/ ۱۷۳

میں ہے:

الفتوی علی عدم جواز الحیلۃ لاسقاط الزکوٰۃ وھو قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی وھو المعتمد[1]

فتوٰی حیلہ اسقاطِ زکوٰۃ کے عدمِ جواز پر ہے اور یہی امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے، اور اسی پر اعتماد ہے (ت)

مجمع الانہر میں شرح الکنز للعینی سے ہے:

المختار عندی ان لاتکرہ فی الشفعۃ دون الزکوٰۃ[2]

میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ شفعہ میں حیلہ مکروہ نہیں لیکن زکوٰۃ میں مکروہ ہے۔ (ت)

وقایہ واصلاح وایضاح میں ہے:

واللفظ لھذین لایکرہ حیلۃ اسقاط الشفعۃ والزکوٰۃ عند ابی یوسف خلافا لمحمد و یفتی فی الاول بقول الاول وفی الثانی بقول الثانی[3]

ان دونوں کی عبارت یہ ہے: اسقاط شفعہ و زکوٰۃ کے لیے حیلہ امام ابویوسف کے نزدیک مکروہ نہیں لیکن امام محمد کو اس میں اختلاف ہے پہلے (شفعہ) میں پہلے امام (ابویوسف) کے قول پر اور دوسرے (زکوٰۃ) میں دوسرے امام (محمد) کے قول پر فتوٰی ہے۔ (ت)

امام الائمہ سراج الامہ حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب بھی یہی مذہب امام محمد ہے کہ ایسا فعل ممنوع و بد ہے۔ غمز العیون میں تاتارخانیہ سے ہے:

کان ذٰلک مکروھا عند الامام و محمد[4]

یہ (حیلہ) امام اعظم اور امام محمد دونوں کے نزدیک مکروہ ہے۔ (ت)

تو امام کی طرف وہ نسبت تصویب کہ انھوں نے فرمایا (ابویوسف نے درست فرمایا) خود مذہب امام کے صریح خلاف ہے۔

ثالثاً بلکہ خزانۃ المفتین میں فتاوٰی کبرٰی سے ہے:

---

[1] غمز العیون البصائر الفن الخامس من الاشباہ والنظائر الخ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۹۲

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل وتبطل الشفعۃ بتسلیم الکل والبعض داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۸۶

[3] شرح الوقایۃ کتاب الشفعۃ باب ماھی فیہ الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۷۰

[4] غمز العیون البصائر الفن الخامس من الاشباہ والنظائر وھو فن الحیل ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۹۲

الحیلة فی ابطال الشفعة بعد ثبوتها یکرہ لانه ابطال لحق واجب واما قبل الثبوت فلا باس به وھو المختار والحیلة فی منع وجوب الزکوٰۃ تکرہ بالاجماع[1]

ثبوت کے بعد ابطال شفعہ کے لیے حیلہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ حق واجب کو باطل کرنا ہے لیکن ثبوت سے پہلے حیلہ میں کوئی حرج نہیں اور یہی مختار ہے اور وجوب زکوٰۃ میں رکاوٹ کے لیے حیلہ کرنا بالاجماع مکروہ ہے۔ (ت)

یہاں سے ثابت کہ ہمارے تمام ائمہ کا اس کے عدم جواز پر اجماع ہے، حضرت امام ابو یوسف بھی مکروہ رکھتے ہیں ممنوع و ناجائز جانتے ہیں کہ مطلق کراہت کراہت تحریم کے لیے ہے خصوصاً نقل اجماع کہ یہاں ہمارے سب ائمہ کا مذہب متحد بتا رہی ہے اور شک نہیں کہ مذہب امام اعظم و امام محمد اس حیلہ کا ناجائز ہونا ہے، غمز العیون کے لفظ سُن چکے کہ صاف عدم جواز کی تصریح ہے **اقول** اگر بتطفل فرقول خلاف بغرض توفیق اس روایت اجماع میں کراہت کو معنی اعم پر محمول کریں،

فربما تجیئ کذا کقولھم فی الصلوٰۃ کرہ کذا وکذا و ارادوا به المکروھات من القسمین۔

تو کبھی یوں بھی آتا ہے جیسا کہ فقہاء کا نماز کے باب میں کہنا کہ فلاں فلاں چیز مکروہ ہے اور مکروہات کی دونوں قسموں کو مراد لیتے ہیں (ت)

تو حاصل یہ ہوگا کہ اس حیلہ کے مکروہ و ناپسند ہونے پر ہمارے ائمہ کا اجماع ہے، خلاف اس میں ہے کہ امام ابو یوسف مکروہ تنزیہی فرماتے ہیں اور امام اعظم و امام محمد مکروہ تحریمی۔ اور فقیر نے بچشم خود امام ابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ کی متواتر کتاب مستطاب الخراج میں یہ عبارت شریفہ مطالعہ کی (مطبع خیری بولاق مصر صفحہ ۴۵):

قال ابو یوسف رحمه اللہ لا یحل لرجل یؤمن باللہ والیوم الاٰخر منع الصدقة و لا اخراجها من ملکه الی ملك جماعة غیرہ لیفرقها بذلك فتبطل الصدقة عنها بان یصیر لکل واحد منھم من الابل والبقر والغنم مالا یجب فیه الصدقة و لا یحتال فی ابطال الصدقة بوجه ولا سبب بلغنا عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه

یعنی امام ابو یوسف فرماتے ہیں کسی شخص کو جو اللہ و قیامت پر ایمان رکھتا ہو یہ حلال نہیں کہ زکوٰۃ نہ دے یا اپنی ملک سے دوسروں کی ملک میں دے دے جس سے ملک متفرق ہوجائے اور زکوٰۃ لازم نہ آئے کہ اب ہر ایک کے پاس نصاب سے کم ہے اور کسی طرح کسی صورت ابطال زکوٰۃ کا حیلہ نہ کرے، ہم کو ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا زکوٰۃ نہ دینے والا مسلمان نہیں رہتا، اور جو زکوٰۃ نہ دے اس کی

---

[1] خزانۃ المفتین کتاب الشفعۃ (قلمی نسخہ) ۲/ ۱۹۶

انہ قال ما مانع الزکوٰۃ بمسلم ومن لم یؤدھا فلا صلوٰۃ لہ[1] نماز مردود ہے۔

فتاوٰی کبرٰی وخزانۃ المفتین کی نقلِ اجماع عبارتِ اطلاق کی تائید کر رہی ہے اور اس کا اطلاق اُس اجماع کی امام ابو یوسف نے یہ کتاب مستطاب خلیفہ ہارون کے لیے تصنیف فرمائی ہے جبکہ امام خلافت ہاروتی میں قاضی القضاۃ و قاضی الشرق والغرب تھے اُس میں کمال اعلانِ حق کے ساتھ خلیفہ کو وہ ہدایات فرمائی ہیں جو ایک اعلیٰ درجے کے امام ربانی کے شایانِ شان تھیں کہ اللہ کے معاملے میں سلطان وخلیفہ کسی کا خوف و لحاظ نہ کرے اور خلیفہ رحمہ اللہ تعالٰی نے ان ہدایات کو اسی طرح سنا ہے جو ایک خدا پرست سلطان وامیر المومنین کے لائق ہے کہ نصائح ائمہ وعلماء اگرچہ بظاہر تلخ ہوں گوشِ قبول سے سُنے اور اُن کے حضور فروتنی کرے، یہ زمانہ امام کا آخر زمانہ تھا، حاضرین مجلس مبارک سیدنا امام اعظم یا اُس کے بعد کا قریب زمانہ جس میں خلافیات ائمہ ثلثہ منقول ہوئی ہیں اس سے متقدم تھا، تو اس تقدیر پر نقل اجماع کو ظاہر سے پھیرنے کی حاجت نہیں، تطبیق یُوں ہوگی کہ امام ابی یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس قول سے رجوع فرمایا اور اُن کا آخر قول یہی ٹھہرا جو ان کے استاذ اعظم امام الائمہ اور شاگرد اکبر امام محمد کا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، اور ایک امام دین جب ایک قول سے رجوع فرمائے تو اب وہ اس کا قول نہ رہا، نہ اس پر طعن روا، نہ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما پر طعن کیا کہ وہ ابتداء میں جوازِ متعہ کے مدتوں قائل رہے ہیں یہاں تک کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اپنے زمانہ خلافت میں اُن سے فرمایا کہ اپنے ہی اُوپر آزما دیکھئے، اگر متعہ کرو تو میں سنگسار کروں، آخر زمانہ میں اس سے رجوع کیا اور فرمایا: اللہ عزوجل نے زوجہ وکنیز شرعی بس ان دو کو حلال فرمایا ہے فکل فرج سواھما حرام[2] ان دو کے سوا جو فرج ہے حرام ہے۔ رواہ الترمذی (اسے ترمذی نے روایت کیا۔ ت) زید بن ارقم رضی اللہ تعالٰی عنہ پر طعن کیا جائے کہ وہ پہلے سُود کی بعض صُورتیں حلال بتاتے تھے یہاں تک ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا کہ زید کو خبر دے دو کہ اگر وہ اس قول سے باز نہ آئے تو انھوں نے جو حج وجہاد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب کیا اللہ تعالٰی اسے باطل فرمادے گا[3]۔ رواہ الدارقطنی (اسے دارقطنی نے روایت کیا۔ ت)

رابعاً یہ حکایت کسی سند مستند سے ثابت نہیں، اور بے سند مذکور ہونا طعن کے لیے کیا نفع دے سکتا ہے۔

---

[1] کتاب الخراج باب فی الزیادۃ والنقصان الخ مطبعہ بولاق مصر ص ۸۶

[2] جامع الترمذی ابواب النکاح باب ماجاء فی نکاح المتعۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۳۳

[3] سنن الدارقطنی کتاب البیوع حدیث ۲۱۱ نشر السنۃ ملتان ۳/۵۲

بی ایسی کتاب میں خصوصًا جس میں تو وہ حدیثیں خود رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی طرف ایسی منسوب ہیں جن کی نسبت ائمہ حدیث نے جزم کیا کہ باطل و موضوع و مکذوب ہیں۔

ولکل فن رجال ولکل رجال مجال ویابی اللّٰہ العصمۃ الا لکلامہ وکلام رسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

ہر فن کے ماہرین ہیں اور تمام ماہرین میں خطا کا امکان ہے، اللہ تعالٰے نے عصمت صرف اپنے کلام اور اپنے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کلام ہی کو عطا فرمائی ہے۔ (ت)

مجتہد کے اجتہاد میں کسی فعل کا جواز آنا اور بات اور خود اس کا مرتکب ہونا اور بات، یہ اساطین دین الٰہی بارہا عوام کے لیے رخصت بتاتے اور خود عزیمت پر عمل کرتے، سیدنا امام اعظم امام الائمہ سراج الامہ کاشف الغمہ مالک الازمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لا احرم النبیذ الشدید دیانۃ ولا اشربہ مروءۃ۔

میں نبیذ کو دیانۃً حرام نہیں کہتا لیکن مروتًا اسے پیتا نہیں ہوں۔ (ت)

اُن کے شاگرد محمد بن مقاتل رازی کہتے ہیں:

لو اعطیت الدنیا بحذافیرھا ما شربت المسکر یعنی نبیذ التمر والزبیب ولو اعطیت الدنیا بحذافیرھا ما افتیت بانہ حرام[1]، ذکرہ الامام البخاری فی الخلاصۃ۔

اگر تمام دنیا مجھے دے دی جائے تو میں نشہ آور چیز یعنی تمر اور زبیب کا نبیذ نہ پیوں گا، اور اگر مجھے تمام دنیا عطا کردی جائے تو میں اس کے حرام ہونے کا فتوٰی نہیں دے سکتا، امام بخاری نے خلاصہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ (ت)

خامسًا امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ الشریف احیاء العلوم شریف میں فرماتے ہیں:

فان قیل ھل یجوز لعن یزید لانہ قاتل الحسین و امربہ قلنا ھذا لم یثبت اصلا فلا یجوز ان یقال انہ قتل او امربہ مالم یثبت فضلا عن اللعنۃ لانہ

اگر سوال کیا جائے کہ کیا یزید پر لعنت کرنا جائز ہے کیونکہ وُہ امام حسین رضی اللہ تعالٰے عنہ کا قاتل ہے یا اس نے آپ کے قتل کا حکم دیا ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ یہ اصلًا ثابت نہیں جب تک ثابت نہ ہوجائے تو اسے

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاشربہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/۲۰۵

لا تجوز نسبة مسلم الی کبیرة من غیر تحقیق نعم یجوز ان یقال قتل ابن ملجم علیا و قتل ابو لؤلؤ عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنه فان ذلك ثبت متواترا فلا یجوز ان یرمی مسلم بفسق وکفر من غیر تحقیق۔[1]

قاتل یا اس کا آمر نہ کہا جائے چہ جائیکہ اس پر لعنت کی جائے کیونکہ بغیر تحقیق کسی مسلمان کی طرف کبیرہ گناہ کی نسبت کرنا جائز نہیں، ہاں یہ کہنا جائز ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ابن ملجم اور حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ابو لؤلؤ نے شہید کیا کیونکہ یہ تواتر سے ثابت ہے تو بغیر تحقیق کسی مسلمان کی طرف فسق یا کفر کی نسبت کرنا ہرگز جائز نہیں (ت)۔

اقول یہ فعل کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے حکایت کیا جاتا ہے آیا خطاء اجتہادی ہے یا اس کی قابلیت نہیں رکھتا بلکہ معاذ اللہ عمدًا فریضۂ اللہ سے معاندت ہے، بر تقدیر اول اس سے طعن کے کیا معنی مجتہد اپنی خطا پر ثواب پاتا ہے اگرچہ صواب کا ثواب دونا ہے، اور اگر عیاذًا باللہ شق ثانی فرض کی جائے تو فرض خود سے معاندت قطعاً کبیرہ ہے خصوصًا وہ بھی بر سبیلِ عادت جو (کر دیا کرتے تھے) کا مفاد ہے خصوصًا اس زعم کے ساتھ کہ آخرت میں اس کا ضرر ہر گناہ سے زائد ہے تو معاذ اللہ اکبر الکبائر ہوا پھر کیونکر حلال ہوگیا کہ ایسے سخت کبیرہ شدید ز کبیرہ بلکہ اکبر الکبائر کو ایک مسلمان نہ صرف مسلمان بلکہ امام المسلمین کی طرف بلا تواتر نہ فقط بے تواتر بلکہ محض بلا سند صرف حُکِیَ کی بنا پر نسبت کر دیا جائے۔ سبحان اللہ! یزید پلید کی طرف تو یہ نسبت ناجائز و حرام ہو کہ اس نے امام مظلوم سیدنا حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کو شہید کرایا اس لیے کہ اس کا حکم دینا اس خبیث سے متواتر نہیں اور سیدنا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایسی شدید عظیم بات نسبت کرنا حلال ٹھہرے حالانکہ تواتر چھوڑ اصلاً کوئی ٹوٹی پھوٹی سند بھی نہیں۔

فقد تمت الحجة بالحجة علی الحجة و طهر به ذیل امام الحجة وللّٰه الحجة البالغة ولکل جواد کبوة ولکل صارم نبوة ولکل عالم هفوة ولقد صدق امام دار الهجرة عالم المدینة سیدنا الامام مالك بن انس رحمة اللّٰه تعالٰی اذ یقول کل ماخوذ من قوله ومردود علیه الا صاحب هذا القبر صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم الا

اب حجت پر حجت کے ساتھ حجت تمام ہوگئی اور امام الحجۃ کا دامن پاک ہوگیا اور کامل حجت اللہ تعالٰی کے لیے ہی ہے، ہر شہسوار کو گرنا اور ہر تلوار کند ہونا ہے اور ہر عالم کو لغزش کا سامنا ہے ـــــ امام دار الہجرت عالم مدینہ سیدنا امام مالک بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سچ فرمایا کہ ہر ایک کا قول ماخوذ بھی ہوسکتا ہے اور مردود بھی ماسوائے اس قبر کے مکین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ـــــ

---

[1] احیاء العلوم الآفۃ الثامنۃ اللعن مکتبہ ومطبعۃ المشهد الحسینی القاهرة ۳/ ۱۲۵

ان الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ھفوات بدرت مھما ندرت یبتغون الفتنة فی الدین وایذاء قلوب المسلمین واللہ المستعان علی الطاغین والمردة الباغین ولاحول ولاقوة الا باللہ العلی العظیم۔

—— بلاشبہ وہ لوگ جن کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ ان ہفوات کی اتباع کرتے ہیں جیسے بھی وہ ظاہر ہوں اور اس سے دین میں فتنہ برپا کر کے مسلمانوں کے دلوں کو ایذا دیتے ہیں، ان سرکشوں اور مردود باغیوں کے خلاف اللہ تعالٰی مدد فرمانے والا ہے۔ (ت)

سادسًا مجرد استقباح واستبعاد بے دلیل شرعی مسموع نہیں، نہ احکامِ زہد احکامِ شرع پر حاکم، نماز میں قلتِ خشوع کو اہلِ سلوک کیا کیا سخت و شنیع مذمتیں نہیں کرتے، ایسی نماز کو باطل و مہمل و فاسد و مختل سمجھتے ہیں۔ اور فقہاء کا اجماع ہے کہ خشوع نہ رکنِ نماز ہے نہ فرض نہ شرط، مانحن فیہ کا محلِ اجتہاد نہ ہونا مخالف نے نہ بنایا نہ قیامت تک بنا سکتا ہے، پھر اجتہادِ مجتہد پر طعن کیا معنی رہا، فعل اگر بفرضِ غلط ایک آدھ بار وقوع بسندِ معتمد ثابت بھی ہو جائے تو کرنے اور کیا کرنے میں زمین آسمان کا بل ہے، نہ کان یفعل تکرار میں نص، کما بیناہ فی التاج المکلل فی انارة مدلول کان یفعل (جیسا کہ ہم نے اس بات کو اپنے رسالہ التاج المکلل فی انارة مدلول کان یفعل میں بیان کیا ہے۔ ت) واقعہ حال محتمل صد احتمال ہوتا ہے عروضِ ضرورت یا امر اہم یا کچھ نہ سہی تو بیانِ جواز ہی کہ فعلاً قولاً سے اکمل واتم اور (یہ اُن کی فقہ سے ہے) تصویب نہیں، اس کے معنی اس قدر کہ یہ اُن کا اجتہاد ہے جس کا حاصل صرف منعِ طعن ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد پر ملام نہیں، جس طرح حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے عکرمہ کو جب اُنھوں نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شکایت کی کہ وتر کی ایک رکعت پڑھی، جواب دیا دعہ ف فانہ فقیہ [1] اُنھیں کچھ نہ کہو کہ وہ مجتہد ہیں رواہ البخاری (اسے بخاری نے روایت کیا۔ ت) ہاں دربارۂ تصویب وتصدیق یہ حکایت کتب میں منقول ہے کہ امام زین الملة والدین ابوبکر خواب میں زیارتِ اقدس حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مشرف ہوئے کسی شافعی المذہب نے امام ابویوسف کا یہ قول حضور کے سامنے عرض کیا، حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ابویوسف کی تجویز حق ہے، یا فرمایا درست ہے۔ شرح نقایہ میں ہے:

وقد ایدہ ماصح عندنا ان افضل العلماء فی زمانہ واکمل العرفاء فی اوانہ زین الملة والدین ابوبکر

اس کی تائید وہ واقعہ کرتا ہے جو ہمارے نزدیک صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ اپنے وقت کے افضل العلماء، اکمل العرفاء، زین الملت والدین

---

[1] صحیح بخاری باب ذکر معاویہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۳۱

ف: بخاری کے مقام مذکور پر دو حدیثیں منقول ہیں ایک کے الفاظ یہ ہیں دعہ فانہ صحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری کے الفاظ یوں قال اصاب انہ فقیہ۔ اعلٰحضرت علیہ الرحمۃ نے دونوں حدیثوں کا اختصار نقل کیا ہے۔ نذیر احمد

الآبادی قد رای فی المنام ان شافعی المذھب قال فی مجلس النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان ابا یوسف جوز حیلۃ فی اسقاط الزکوۃ فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان ماجوزہ ابویوسف حق او صدق۔[1]

ابوبکر الآبادی نے خواب میں دیکھا کہ شافعی المذہب شخص نے مجلسِ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں عرض کیا کہ ابویوسف نے اسقاطِ زکوٰۃ میں حیلہ کو جائز رکھا ہے تو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا : ابویوسف نے جو تجویز کیا ہے وہ حق ہے یا درست ہے (ت)

سابعًا بعد وجوب منع کا حیلہ بالاجماع حرام قطعی ہے، یہاں کلام منعِ وجوب میں ہے یعنی وُہ تدبیر کرنی کہ ابتداءً زکوٰۃ واجب ہی نہ ہو۔ امام ابویوسف فرماتے ہیں اس میں کون سے حکم کی نافرمانی ہوئی، اللہ عزوجل نے سال تمام ہونے پر زکوٰۃ فرض کی جو بعد وجوب ادا نہ کرے بالاجماع عاصی ہے، یہ کہاں فرض کیا ہے کہ اپنے مال پر سال گزرنے بھی دو، جس طرح یہ فرض فرمایا ہے کہ جو زاد و راحلہ و قدرت رکھتا ہو حج کرے یہ کب فرض کیا ہے کہ زاد و راحلہ و استطاعت کے قابل مال جمع بھی کرو، یونہی ہرگز واجب کیا مستحب بھی نہیں کہ قدر نصاب مال جوڑ کر سال بھر رکھ چھوڑو تاکہ زکوٰۃ واجب ہو، ائمہ دین کو تعلیم غل کی طرف منسوب کرنا بدگمانی ہے جو عوام مسلمین پر بھی جائز نہیں، اور حق یہ ہے کہ امام ممدوح کا یہ قول بھی اس لیے نہیں کہ لوگ اسے دستاویز بناکر زکوٰۃ سے بچیں، بلکہ وہ وقتِ ضرورت وحاجت پر محمول ہے، مثلاً کسی پر حج فرض ہوگیا تھا مال چوری ہوگیا، مصارفِ حج ونفقۂ عیالی کے لیے ہزار درم کی ضرورت ہے اس سے کم میں نہ ہوگا محنت وکوشش سے جمع کیے، آج قافلہ جانے کو ہے کل سالِ زکوٰۃ تمام ہوگا، اگر پچیس درہم نکل جائیں گے مصارف میں کمی پڑے گی، یہ ایسا حیلہ کرے کہ حج فرض سے محروم نہ رہے، یا کوئی شخص اپنے حال کو جانتا ہے کہ زکوٰۃ اُس سے ہرگز ہرگز قطعاً نہ دی جائے گی، اُس کا نفس ایسا غالب ہے کہ کسی طرح اس فرض کی ادا پر اصلاً قدرت نہ دے گا یہ اس خیال سے ایسا کرے کہ بعد فرضیت ترک ادا وارتکابِ گناہ سے بچوں تو از قبیل من ابتلی ببلیتین اختار اھونھما (جو شخص دو مشکلات میں گھر جائے ان میں سے آسان کو اختیار کرے۔ت) ہوگا۔ سراجیہ میں ہے:

اذا اراد ان یحتال لامتناع وجوب الزکوۃ لما انہ خاف ان لایؤدی فیقع فی المأثم فالسبیل ان یھب النصاب قبل تمام الحول من یثق بہ

جب کوئی امتناعِ وجوبِ زکوٰۃ کے لیے حیلہ کرتا ہے کہ وُہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ اگر اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی تو گناہگار ہوگا، تو اس کے لیے راستہ یہ ہے کہ سال گزرنے سے پہلے نصاب کسی بااعتماد آدمی کے

[1] شرح نقایہ

ویسلمہ الیہ ثم یستوھبہ[1]۔ حوالے کر دے پھر اس سے بطور ہبہ واپس لے لے۔ (ت)

دیکھو تصریح ہے کہ یہ حیلہ گناہ سے بچنے کے لیے، نہ کہ معاذ اللہ گناہ میں پڑنے کے واسطے۔ حیلِ شرعیہ کا جواز خود قرآنِ عظیم واحادیثِ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے، ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قسم کھائی تھی کہ اپنی زوجہ مقدسہ کو سَو کوڑے ماریں گے، رب العزت عزجلالہ نے فرمایا:

وخذ بیدک ضغثا فاضرب بہ ولا تحنث[2]۔ یعنی سَو تیلیوں کی ایک جھاڑو بنا کر اس سے ایک دفعہ مار لو اور قسم جھوٹی نہ کرو۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک کمزور شخص پر حد لگانے میں اسی حیلہ جمیلہ پر عمل فرمایا، ارشاد ہوا:

خذوا لہ عثکالا فیہ مائۃ شمراخ ثم اضربوہ بہ ضربۃ واحدۃ[3]۔ رواہ احمد وابن ماجۃ وابوداؤد وبمعناہ البغوی فی شرح السنۃ الاولان عن ابی امامۃ بن سھل عن سعید بن سعد بن عبادۃ والثالث عن ابی امامۃ بن سھل عن بعض الصحابۃ من الانصار والرابع عن سعید بن سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم برجل[4] الحدیث ھذا حدیث حسن الاسناد ورواہ الرویانی فی مسندہ فقال حدثنا محمد بن المثنی ثنا عثمٰن بن عمر نا فلیح عن سھل بن سعد ان ولیدۃ فی عھد رسول اللہ

شاخہائے خرما کا ایک گچھا لے کر جس میں سَو شاخیں ہوں اُس سے ایک بار مار دو (اسے امام احمد، ابن ماجہ، ابوداؤد نے اور معناً بغوی نے شرح السنۃ میں روایت کیا ہے، پہلے دونوں محدثین نے حضرت ابوامامہ بن سہل اور انھوں نے سعید بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور تیسرے نے حضرت ابوامامہ بن سہل سے انھوں نے ایک انصاری صحابی سے روایت کی ہے، اور چوتھے نے حضرت سعید بن سعد بن عبادہ سے روایت کیا کہ نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ایک شخص کو لایا گیا، الحدیث، اس حدیث کی سند حسن ہے اور اسے رویانی نے اپنی سند میں یوں روایت کیا کہ ہمیں محمد بن مثنّٰی نے انھیں

---

[1] فتاوٰی سراجیۃ کتاب الحیل والخوارج والخوارج منشی نولکشور لکھنؤ ص ١٥٤

[2] القرآن ٣٨/ ٤٤

[3] مسند امام احمد بن حنبل حدیث سعید بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ٥/ ٢٢٢

[4] شرح السنۃ باب حد المریض حدیث ٢٥٩١ المکتب الاسلامی بیروت ١٠/ ٣٠٣

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حملت من الزنا ، فسئلت من اجلك ؟ فقالت اجلنی المقعد، فسئل عن ذٰلك فاعترف فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ لضعیف عن الجلد فامر بمائۃ عثکول فضربہ بہا ضربۃ واحدۃ[1] اھ ھکذا وقع فیما رأیت انما المعروف ابن سہل سعید بن سعد وفی اخری لابن ماجۃ عن ابن سہل عن سعد بن عبادۃ ، واللہ تعالٰی اعلم ۔

عثمان بن عمر نے انھیں فلیح نے حضرت سہل بن سعد سے بیان کیا کہ ایک لڑکی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں زنا سے حاملہ ہوگئی ، پوچھا گیا یہ حمل کس کا ہے ؟ اس نے کہا یہ اس لُولے کا ہے ، پُوچھا گیا تو اس نے اعتراف کرلیا ۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ کمزور ہے سو کوڑوں کی سزا نہیں جھیل سکتا ، لہذا آپ نے سَو شاخوں والے خُرما کی شاخ سے اسے ایک ضرب لگوائی اھ دیکھا تو میں نے یہی ہے مگر معروف ابن سہل سعید بن سعد ہیں ، اور ابن ماجہ کی دوسری روایت میں ابن سہل نے حضرت سعد بن عبادہ سے بیان کیا ہے ۔ اللہ تعالٰی ہی بہتر جانتا ہے (ت)

خود صحیح بخاری شریف بلکہ صحیحین میں حضرت ابوسعید و حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک صاحب کو خیبر پر عامل بناکر بھیجا ، وہ عمدہ خرمے وہاں سے لائے ، فرمایا : کیا خیبر کے سب خُرمے ایسے ہی ہیں ؟ عرض کی : نہیں یارسول اللہ ! واللہ کہ ہم چھ سیر خُرموں کے بدلے یہ خرمے تین سیر ، اور نو سیر دے کر اس کے چھ سیر خریدتے ہیں ۔ فرمایا :

لا تفعل بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم جنیبا[2]

ایسا نہ کرو بلکہ ناقص یا کچیل خرمے پہلے روپوں کے عوض بیچو پھر ان روپوں سے یہ عمدہ خرمے خریدو ۔

اور ہر موزوں کے بارے میں یہی حکم فرمایا ، نیز صحیحین میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ برنی چھوہارے کہ عمدہ قسم ہے خدمتِ اقدس حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر لائے ، فرمایا : یہ کہاں سے آئے ہیں ؟ عرض کی : ہمارے پاس ناقص چھوہارے تھے اُن کے چھ سیر دے کر یہ تین سیر لیے ، فرمایا :

اَوّہ عین الربا لا تفعل ذٰلك ولکن

اُف خاص سُود ہے ایسا نہ کرو ، ہاں جب بدلنا

---

[1]

[2] صحیح البخاری کتاب البیوع باب اذا اراد بیع تمر بتمر خیر منہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۹۳

اذا اردت ان تشتری فبع التمر ببیع اٰخر ثم اشتر بہ[1] — چاہو تو اپنے چھوہارے اور چیز سے پہلے بیچ کر پھر اس سے اچھے چھوہارے مول لے لو۔

یہ شرعی حیلے نہیں تو اور کیا ہیں، باب حیل واسع ہے، اگر کلام کو وسعت دی جائے تطویل لازم آئے۔ اہلِ انصاف کو اسی قدر بس ہے، پھر جب اللہ و رسول اجازت دیں تعلیمیں فرمائیں تو ابو یوسف پر کیا الزام آسکتا ہے، ہاں ہمارے امام اعظم و امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہم نے یہ خیال فرمایا کہ کہیں اس کی تجویز عوام کے لیے مقصد شنیع کا دروازہ کھولے لہٰذا ممانعت فرمادی، اور ائمہ فتوٰی نے اسی منع ہی پر فتوٰی دیا، امام بخاری بھی اگر امام محمد کا ساتھ دیں اور یہ قول امام ابی یوسف پسند نہ کریں تو امام ابی یوسف کی شان جلیل کو کیا نقصان، وہ کون سا مجتہد ہے جس کے بعض اقوال دوسروں کو مرضی نہ ہوئے، یہ رد و قبول تو زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بلانکیر رائج و معمول ہے، بخاری کے اقوال مذکورہ میں کوئی کلمہ سخت نفرت کا ہے اُن سے صرف اتنا نکلتا ہے کہ یہ قول انھیں مختار نہیں، اور ہو بھی تو ان کی نفرت امام مجتہد کو کیا ضرر دے سکتی ہے، خصوصاً ائمہ حنفیہ لاسیما امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ و عنہم کہ امام بخاری کے امام و متبوع سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ جن کی نسبت شہادت دیتے ہیں کہ تمام مجتہدین امام ابو حنیفہ کے بال بچے ہیں، حفظِ حدیث و نقدِ رجال و تنقیح صحت و ضعفِ روایات میں امام بخاری کا اپنے زمانے میں پایۂ رفیع والا، صاحبِ رتبۂ بالا، مقبولِ معاصرین و مقتدائے متاخرین ہونا مسلّم۔ کتبِ حدیث میں ان کی کتاب بیشک نہایت چیدہ و انتخاب جس کے تعالیق و متابعات و شواہد کو چھوڑ کر اصولِ مسانید پر نظر کیجئے تو ان میں گنجائش کلام تقریباً شاید ایسی ہی ملے جیسے مسائل ثانیہ امام اعظم میں، اور یہ بھی بحمد اللہ حنفیہ و شاگردان ابو حنیفہ و شاگردانِ شاگرد ابو حنیفہ مثل امام عبد اللہ بن المبارک و امام یحیٰی بن سعید قطان و امام فضیل بن عیاض و امام مسعر بن کدام و امام وکیع الجراح و امام لیث بن سعد و امام معلی بن منصور رازی و امام یحیٰی بن معین وغیرہم ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا فیض تھا کہ امام بخاری نے اُن کے شاگردوں سے علم حاصل کیا اور اُن کے قدم پر قدم رکھا اور خود امام بخاری کے استاذ اجل امام احمد بن حنبل امام شافعی کے شاگرد ہیں، وہ امام محمد کے، وہ امام ابو یوسف کے، وہ امام ابو حنیفہ کے، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، مگر یہ کار اہم ایسا نہ تھا کہ امام بخاری اس میں ہمہ تن مستغرق ہو کر دوسرے کار اجل و اعظم یعنی فقاہت و اجتہاد کی بھی فرصت پاتے، اللہ عزوجل نے انھیں خدمت الفاظ کریمہ کے لیے بنایا تھا، خدمتِ معانی ائمہ مجتہدین خصوصاً امام الائمہ ابو حنیفہ کا حصہ تھا۔ محدث و مجتہد کی نسبت عطار و طبیب کی مثل ہے، عطار دواشناس ہے اُس کی دکان عمدہ عمدہ دواؤں سے مالا مال ہے مگر تشخیصِ مرض و معرفتِ علاج و طریقِ استعمال طبیب کا کام ہے،

---

[1] صحیح البخاری کتاب الوکالت باب اذا باع الوکیل شیئاً فاسداً الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۱۰

عطار کامل اگر طبیب حاذق کے مدارکِ عالیہ تک نہ پہنچے معذور ہے خصوصاً ملک اطبائے حذاق امام ائمہ آفاق جو ثریا سے علم لے آیا جس کی وقتِ مقاصد کو اکابر ائمہ نے نہ پایا، بھلا امام بخاری تو نہ تابعین سے ہیں نہ تبع تابعین سے، امام اعظم کے پانچویں درجے میں جا کر شاگرد ہیں، خود حضرت امام اجل سلیمٰن اعمش کہ اجلّۂ تابعین و امام ائمۂ محدثین سے ہیں حضرت سیدنا انس بن مالک انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ خادم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے استاد، ان سے کچھ مسائل کسی نے پوچھے اس وقت امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی وہاں تشریف فرما تھے امام اعمش نے ہمارے امام سے فتوٰی لیا، ہمارے امام نے سب مسائل کا فوراً جواب دیا، اعمش نے کہا یہ جواب آپ نے کہاں سے پیدا کیے؟ فرمایا ان حدیثوں سے جو میں نے خود آپ سے سُنیں اور وُہ احادیث مع اسانید پڑھ کر بتادیں، امام اعمش نے کہا:

حسبك ما حدثتك به في مائة يوم تحدثني به في ساعة واحدة، ما علمت انك تعمل بهذه الاحاديث يا معشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن الصيادلة وانت ايها الرجل بكلا الطرفين۔[1]

یعنی بس کیجئے میں نے جو حدیثیں سو دن میں بیان کیں آپ نے گھڑی بھر میں مجھے سنادیں، مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ احادیث میں یہ کام کرتے ہیں اے مجتہدا تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار۔ اور اے ابوحنیفہ! تم نے دونوں کنارے گھیر لیے۔

یہ روایت امام ابن حجر مکی شافعی وغیرہ ائمہ شافعیہ وغیرہم نے اپنی تصانیف خیرات الحسان وغیرہا میں بیان فرمائی، یہ تو یہ خود ان سے بدرجہا اجل و اعظم ان کے استاذ اکرم و اقدم امام عامر شعبی جنھوں نے پانسو صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو پایا حضرت امیر المومنین مولٰی علی و سعد بن ابی وقاص و سعید بن زید و ابوہریرہ و انس بن مالک و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن عمرو و عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن زبیر و عمران بن حصین و جریر بن عبداللہ و مغیرہ بن شعبہ و عدی بن حاتم و امام حسن و امام حسین وغیرہم بکثرت اصحاب کرام رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے استاذ جن کا پایۂ رفیع حدیث میں ایسا تھا کہ فرماتے ہیں بیس سال گزرے ہیں کسی محدث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچی جس کا علم مجھے اس محدث سے زائد نہ ہو۔ ایسے مقام والا مقام باآں جلالتِ شان فرماتے ہیں:

انا لسنا بالفقهاء ولكنا سمعنا الحديث فرويناه للفقهاء من اذا

ہم لوگ فقیہ و مجتہد نہیں ہم نے تو حدیثیں سُن کر فقیہوں کے آگے روایت کر دی ہیں جو ان پر مطلع ہو کر

---

[1] الخیرات الحسان الفصل الثلاثون فی سندہ فی الحدیث ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۴

علو عمل[1] نقلہ الزین فی تذکرۃ الحفاظ۔ کارروائی کریں گے۔ (اسے شیخ زین نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیا ہے۔ ت)

کاش امام اجل سیدنا امام بخاری علیہ رحمۃ الباری اگر فرصت پاتے اور زیادہ نہیں دس بارہ ہی برس امام حفص کبیر بخاری وغیرہ ائمہ حنفیہ رحمہم اللہ تعالٰی سے فقہ حاصل فرماتے تو امام ابوحنیفہ کے اقوال شریفہ کی جلالتِ شان و عظمتِ مکان سے آگاہ ہوجاتے، امام ابوجعفر طحاوی حنفی کی طرح ائمہ محدثین وائمہ فقہاء دونوں کے شمار میں یکساں آتے، مگر تقسیمِ ازل جو حصے دے ؎

ہر کسے را بہر کارے ساختند
میل او اندر دلش انداختند

(جس کو کسی کام کے لیے تیار کرنا ہوتا ہے اس کام کی محبت اس کے دل میں ڈال دیتے ہیں)

اور انصافاً یہ تمنا بھی عبث ہے، امام بخاری ایسے ہوتے تو امام بخاری ہی نہ ہوتے، ان ظاہر بینوں کے یہاں وہ بھی ائمہ حنفیہ کی طرح معتوب ومعیوب قرار پاتے فالی اللہ المشتکی وعلیہ التکلان (اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں ہی درخواست ہے اور اسی پر بھروسا ہے۔ ت)

بالجملہ ہم اہلِ حق کے نزدیک حضرت امام بخاری کو حضور پُرنور امام اعظم سے وہی نسبت ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حضور پُرنور امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا ومولٰنا علی المرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنی سے کہ فرقِ مراتب بے شمار اور حق بدست حیدرِ کرار، مگر معاویہ بھی ہمارے سردار، طعن اُن پر بھی کارِ فجار، جو معاویہ کی حمایت میں عیاذاً باللہ اسد اللہ کے سبقت واولیت وعظمت واکملیت سے آنکھ پھیر لے وہ ناصبی یزیدی، اور جو علی کی محبت میں معاویہ کی صحابیت ونسبت بارگاہِ حضرت رسالت بُھلا دے وہ شیعی زیدی، یہی روشِ آداب بحمد اللہ تعالٰی ہم اہلِ توسط واعتدال کو ہر جگہ ملحوظ رہتی ہے یہی نسبت ہمارے نزدیک امام ابن الجوزی کو حضور سیدنا غوثِ اعظم اور مولانا علی قاری کو حضرت خاتمِ ولایت محمدیہ شیخ اکبر سے ہے، نہ ہم بخاری وابن جوزی و علی قاری کے اعتراضوں سے شان رفیع امام اعظم وغوثِ اعظم وشیخ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہم پر کچھ اثر سمجھیں نہ ان حضرات سے کہ بوجہ خطا فی الفہم معترض ہوئے اُلجھیں، ہم جانتے ہیں کہ ان کا منشاءِ اعتراض بھی نفسانیت نہ تھا بلکہ اُن اکابر محبوبانِ خدا کے مدارکِ عالیہ تک درس وادراک نہ پہنچنا لاجرم اعتراض باطل اور معترض معذور اور معترض علیہم کی شان ارفع واقدس، والحمد للہ رب العالمین والصلٰوۃ والسلام علٰی سید المرسلین

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ،، الشعبی علامۃ التابعین دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۱/۷۹

محمد وآلہٖ وصحبہٖ واولیائہٖ وعلمائہٖ واھلہٖ وحزبہٖ اجمعین ، آمین ، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ از مرزا پور بنگلہ نابالغ مرسلہ شجاعت حسین بیگ صاحب بریلوی

بنظرِ اشرف عالم المعی فاضل لوذعی مجدد مائۃ حاضرہ جناب مفتی صاحب زاد اللہ فیوضہ ، بعد سلام مسنون گزارش ہے مجھ پر عرصہ سے قرض تھا ۲۷ رمضان ۱۳۳۸ھ کو اپنی دکان بیع کرکے قرضہ دے دیا ، بے حد و بے شمار شکر ہے کہ اس نے مجھے اس بارِ عظیم سے اپنے فضل وکرم سے سبکدوش فرمایا ، بعد ادائے کل قرضہ دو ہزار دو سو پچانوے زائد علی الاحتیاج باقی رہے ، دوسری ماہِ مبارک کو باِمتثالِ ربِ عزوجل قبل گزرنے حولانِ حول کے اعــہ للعہ روپے علیحدہ کردئے عــہ باقی رہے ان اعــہ للعہ روپے کی زکوٰۃ بحکم شریعتِ مطہرہ عــہ ہوئے بقیہ عــہ میں ایک کا اضافہ کرکے عــہ بہ نیت زکوٰۃ علیحدہ کردئے ، یہ طریقہ بحکم شریعتِ مطہرہ صحیح ہوا یا نہیں ؟ ۲۳ رمضان تک میں بریلی رہا جب تک زرِ زکوٰۃ طلباء و فقراء کو دیتا رہا عــہ باقی تھے کہ مجھے بضرورت ۲۴ کو مرزا پور آنا پڑا ، اب یہاں یہ بقیہ اہل حاجت کو دیا جائے تو خلافِ حکمِ شرعی تو نہ ہوگا ؟ میرے ایک سالے ہیں جو کٹرہ میران پور ضلع ٹھر میں منسوب ہیں قلیل آمدنی ہے اور کثیر اولاد ہیں اگر ان کو کچھ بھیجا جائے تو صلہ رحم بھی ہوگا مگر یہ ارشاد ہو کہ جس قدر ان کو بذریعہ ڈاک روانہ کیا جائے ، مثلاً پانچ روپے بھیجے اور ڈاک کی فیس ایک آنہ یا دو آنے ہوئی تو یہ پیسے انھیں صہ سے دئے جائیں یا علیحدہ اپنے پاس سے۔

الجواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ، جس دن تاریخ وقت پر آدمی صاحبِ نصاب ہوا جب تک نصاب رہے وہی دن تاریخ وقت جب آئے گا اُسی منٹ حولانِ حول ہوگا اس بیچ میں جو اور روپیہ ملے گا اُسے بھی اسی سال میں شامل کرلیا جائے گا اور اسی حولان کو اُس کا حولان مانا جائے گا اگرچہ اسے ملے ہوئے ابھی ایک ہی منٹ ہوا ، حولانِ حول کے بعد ادائے زکوٰۃ میں اصلاً تاخیر جائز نہیں ، جتنی دیر لگائے گا گنہگار ہوگا ۔ ہاں پیشگی دینے میں اختیار ہے کہ بتدریج دیتا رہے سال تمام پر حساب کرے اس وقت جو واجب نکلے اگر پورا دے چکا بہتر ، اور کم گیا ہے تو باقی فوراً اب دے ، اور زیادہ پہنچ گیا تو اُسے آئندہ سال میں مجرا لے ۔ آپ پر حولانِ حول جس دن تاریخ وقت پر ہوتا ہو اُسے اس بیچ میں جو یہ روپے ملے سب زکوٰۃ میں شامل کیے جائیں گے وہ چھپن بھی جو بہ نیت زکوٰۃ علیحدہ رکھے اور ان سب کو ملاکر ۱/۴۰ لیں گے ، ہاں اسے پہلے نصاب نہ ہوتا تو جس وقت یہ روپے ملے اُسی وقت سے شروع سال لیتے اور اس وقت آپ نے عــہ ادا کیے یا بیش وکم کا اعتبار نہ ہوتا سال تمام پر دیکھیے کہ کیا باقی ہے اُتنے کی زکوٰۃ کا مطالبہ ہوتا وہ مطالبہ عــہ نکلتا یا بیش وکم ، بقیہ زکوٰۃ وہاں کے مساکین کو دیجئے

حرج نہیں۔ سالے سے اگر نسبی رشتہ نہیں تو رحم میں شامل نہیں، دوسرے شہر کو وہ زکوٰۃ بھیج سکتے ہیں جو ابھی واجب الادا نہ ہوئی، حولانِ حول نہ ہوا، اس کے بعد نہیں، جتنا روپیہ زکوٰۃ گیرندہ کو ملے گا اتنا زکوٰۃ میں محسوب ہوگا، بھیجنے کی اُجرت وغیرہ اس پر جو خرچ ہو شامل نہ کی جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۸۱ و ۸۲

(۱) اگر زمیندار زمین بٹائی پر جتوائے یا کاشتکار دیگر کاشت کار سے کاشت کرائے اور نصف پیداوار کے مستحق ہوں تو دونوں پر زکوٰۃ فرض ہوگی؟

(۲) فصل ربیع میں جب کھیت کو پانی نہ دیا اس کا دسواں حصّہ، پانی دئے ہوئے کا بیسواں اور فصل خریف میں دسواں کیوں کہ بارش کے پانی سے پیدائش ہے، یونہی صحیح ہے؟

الجواب

(۱) صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ عشر صرف کاشتکار پر ہے اس پر فتویٰ دینے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ان ملکوں میں جہاں اُجرت میں نقدی ٹھہری ہوتی ہے وہاں اسی پر فتویٰ ہونا چاہئے اور بٹائی میں حسبِ قولِ امام فقط زمیندار پر ہے۔

(۲) جسے بارش یا نہر یا تالاب کا پانی دیا گیا اس میں دسواں حصّہ ہے، اور جسے چرسے یا ڈھکلی سے پانی دیا گیا اس میں بیسواں حصّہ اور جسے مول کا پانی دیا گیا اس میں بھی بیسواں حصّہ چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۸۳ از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۱۳ھ

زید دریافت کرتا ہے کہ کاشت کار نے زکوٰۃ کھیت کی پیداوار میں سے دسواں حصّہ بلا پانی دیا ہوا اور بیسواں حصہ پانی دئے ہوئے میں سے دیا اگر کاشتکار کے بعد سال تمام کے اُسی پیداوار میں سے جس کی زکوٰۃ دسواں یا بیسواں حصّہ دے چکا تھا، بچ رہے تو زکوٰۃ چالیسواں حصّہ دینا ہوگا کہ نہیں؟

الجواب

کھیت کی پیداوار پر زکوٰۃ نہیں، وہی عشر ہے، اس کے سوا سال تمام پر اور کوئی زکوٰۃ نہیں آتی، زکوٰۃ صرف تین مالوں پر ہے، سونا چاندی یا وہ مال جو تجارت کی نیت سے خریدا یا جنگل میں چرتے ہوئے جانور۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۸۴ از درو ضلع نینی تال ڈاکخانہ کچھار مرسلہ عبدالعزیز خاں ۶ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

زمین نہر عشری ہے یا خراجی؟ اور جو روپیہ کہ انگریز زمینداروں سے بطورِ قسط لیتے ہیں وہ محسوب زکوٰۃ عشر ہے یا خراج؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

زمین بہت صورتوں میں عشری ہوتی ہے بہت میں خراجی، بعض میں نہ عشری نہ خراجی، جن کی تفصیل کتبِ فقہ باب العشر والخروج میں مذکور ہندوستان کی ایک ملک وسیع ہے اس کی مختلف زمینوں میں غالباً وُہ سب یا اکثر صور متحقق، تو اس کی زمین کو نہ مطلقاً عشری کہہ سکتے ہیں نہ مطلقاً خراجی، عشر وخراج جو محاصل شرعیہ کے اقسام ہیں جن کے لیے شرع مطہر نے اصول وضوابط ومواقع ومقادیر کی تقدیر فرمائی، انگریز اپنی قسطیں لینے میں اُس اصول کے پابند نہیں بلکہ اُن کا قانون مالگزاری جُدا ہے کما لا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت)

مسئلہ ۸۵: از لودھیانہ محلہ گرجو منگلی مرسلہ شیخ محمد مقبول صاحب تاجر ۲۱ جمادی الاولٰی ۱۳۱۶ھ

ما قول الفقہاء الحنفیۃ فی ان اراضی الھندیۃ التی فی ایدی المسلمین خراجیۃ ام عشریۃ۔ بینوا توجروا۔

فقہاء احناف کا ہندوستان کی اس زمین کے بارے میں کیا موقف ہے جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہے، کیا وہ خراجی ہیں یا عشری؟ بینوا توجروا۔ (ت)

الجواب

الارض کثیرا ما تکون عشریۃ کما فتح وقسم بیننا، وما اسلم[2] اھلہ طوعا قبل ان تظفر بھم وعشریۃ اشتراھا ذمی من مسلم فاخذھا مسلم بشفعۃ او ردت علی البائع لفساد البیع او بخیار او رؤیۃ مطلقا او عیب بالقضاء وما احیاہ مسلم بقرب العشریات او لتساوی[9] القرب الیھا والی الخراجیات علی قول ابی یوسف المفتی بہ وسقاہ بماء عشری وحدہ او مع خراجی علی قول الطرفین، و کالاحیاء جعلہ[11] دارہ بستانا او مزرعۃ، وکثیرا ما تکون خراجیۃ کما

زمین بہت سی صورتوں میں عشری ہوتی ہے (جیسا کہ ان صُورتوں میں ہے) مثلاً (۱) زمین مفتوحہ اور مسلمانوں میں تقسیم شدہ ہے (۲) وہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کے غلبہ سے پہلے پہلے خوشی سے اسلام قبول کرلیا ـــــ (۳) زمین عشری تھی اسے کسی ذمّی نے مسلمان سے خرید لیا پھر کسی مسلمان نے بذریعہ شفعہ حاصل کرلی (۴) یا فساد بیع کی وجہ سے (۵) یا خیار شرط (۶) یا خیار رؤیت ہر حال میں (۷) یا عیب کی صورت میں قاضی کی قضا سے وُہ زمین بیچنے والے مسلمان کی طرف واپس لوٹ آئی ہے (۸) جو مسلمان نے آباد کی ہو عشری زمین کے قریب (۹) یا اس زمین کا قرب خراجی اور عشری زمین کے مساوی ہے امام ابویوسف کے مفتی بہ قول کے مطابق، اور اسے صرف عشری پانی یا عشری اور خراجی دونوں پانی سیراب کرتے ہوں طرفین کے

فتح[1] ومن به على اهلها اونقل[2]
اليه كفار أخر وما فتح[3] صلحا و
عشرية[4] اشتراها ذمي من مسلم
وخراجية[5] اشتراها مسلم وما
احياه[6] ذمي باذن الامام اورضخ[7]
له مطلقا او مسلم بقرب الخراجيات،
او سقاه بماء خراج صرفا
على القولين ومثله[9] مسئلة
الدار في المسلم والذمي جميعا ،
وقد تكون لا عشرية ولا خراجية
كما فتحناه وابقيناه لنا الى يوم
القيمة اومات ملاكها وألت لبيت المال
على نزاع في هذا قال في رد المحتار
عن الدر المنتقى شرح الملتقى ،
هذا نوع ثالث يعني لا عشرية
ولا خراجية من الاراضي تسمى
ارض المملكة واراضي الحوز و
وهو ما مات اربابه بلا وارث
وأل لبيت المال او فتح عنوة
وابقي للمسلمين الى يوم
القيامة وحكمه على ما في
التاتارخانية انه يجوز للامام
دفعه للزارع باحد طريقين
اما باقامتهم مقام الملاك
في الزراعة واعطاء الخراج

قول کے مطابق (۱۰ و ۱۱) اور دار کی زمین کو باغ
یا زرعی بنانا، آباد بنانے کی طرح ہے
اور بہت سی صورتوں میں زمین خراجی ہوتی ہے (۱) زمین
فتح کرلی گئی مگر اس کے باشندوں کو ہی بطور حسنِ سلوک
واپس کردی گئی (۲) ایسی زمین کی طرف دوسرے کفار
کی منتقلی کی گئی ہو (۳) وہ زمین بطور صلح فتح کی گئی ہو۔
(۴) زمین عشری تھی مگر کسی ذمی نے مسلمان سے خرید لی۔
(۵) ایسی زمین خراجی جسے کسی مسلمان نے خرید لیا۔
(۶) ایسی زمین جسے اذنِ امام سے کسی ذمی نے آباد کیا۔
(۷) جو زمین ذمی کو بطور عطیہ دے دی گئی (۸) کسی مسلمان نے
اس زمین کو خراجی زمین کے قریب آباد کیا یا اسے
دونوں قولوں کے مطابق محض خراجی پانی سے
سیراب کیا (۹) اسی کی مثل مسئلہ دار ہے مسلمان اور ذمی کے حق
میں کہ ذمی کیلئے خراجی ہے بعض اوقات زمین نہ عشری ہوتی ہے
اور نہ ہی خراجی، مثلاً ہم نے زمین فتح کی اور تاقیامت
اسے مسلمانوں کے لیے وقف رکھا یا اس زمین کے مالک
فوت ہوگئے اور وہ زمین بیت المال کی طرف لوٹ آئی،
اس میں نزاع ہے۔ ردالمحتار میں درالمنتقی شرح الملتقی سے
ہے کہ یہ زمین کی تیسری نوع ہے یعنی نہ وہ عشری ہے اور
نہ وہ خراجی زمینوں میں سے ہے، ایسی زمینوں کو ارضِ
مملکت اور اراضی حوز کہا جاتا ہے اور یہ ایسی زمینیں ہیں
جن کے مالک بلاوارث فوت ہوجائیں اور وہ زمین
بیت المال کی طرف لوٹ آئے یا وہ زمین بطور غلبہ
مفتوحہ ہو اور وہ تاقیامت مسلمانوں کیلئے باقی رکھ دی ہو تاتارخانیہ
کے مطابق اس کا حکم یہ ہے کہ حاکم وقت اسے دو طریقوں

واما باجارتها لهم بقدر الخراج فیکون الماخوذ فی حق الامام خراجا وفی حق الاکرۃ اجرۃ لاغیر لاعشر ولاخراج[1] اھ باختصار وقال فی الدر المختار المشتراۃ من بیت المال اذا وقفها مشتریها فلا عشر ولاخراج، شرنبلالیۃ معزیا للبحر، وکذا لو لم یوقفها کما ذکرتہ فی شرح الملتقی[2] اھ قال الشامی لم یذکر فی البحر العشر وانما قال بعد ما حقق ان الخراج ارتفع عن اراضی مصر لعودها الی بیت المال بموت ملاکها فاذا اشتراها انسان من الامام ملکها ولاخراج علیها لان الامام قد اخذ البدل للمسلمین وتمامہ فی التحفۃ المرضیۃ اھ نعم ذکر العشر فی تلک الرسالۃ فقال انہ لایجب ایضا لانہ لم یرفیہ نقلا قلت ولایخفی ما فیہ لانهم قد صرحوا بان فرضیۃ العشر ثابتۃ بالکتاب والسنۃ والاجماع والمعقول وبانہ یجب فیما لیس بعشری ولاخراجی کالمفاوز والجبال وبان الملک غیر شرط

میں سے کسی ایک کے مطابق زراعت کیلئے دے سکتا ہے یا زراعت اور خراج دینے میں مالکوں کے قائم مقام بنادے یا بقدر خراج اجارہ پر دے دے اب اس زمین سے حاصل شدہ حاکم کے حق میں خراج اور کرایہ پر لینے والوں پر سوائے اجرت کے کچھ نہ ہوگا، تو ان پر نہ عشر ہے نہ خراج اھ اختصارًا، درمختار میں ہے کہ بیت المال سے خریدی ہوئی زمین کو جب مشتری وقف کرتا ہے تو اب اس پر نہ عشر ہے اور نہ خراج، شرنبلالیہ بحوالہ بحر۔ اور اسی طرح اس وقت حکم ہے جب وقف نہ کرے جیسا کہ میں نے شرح الملتقی میں ذکر کیا ہے۔ شامی کہتے ہیں کہ بحر میں عشر کا ذکر نہیں، انھوں نے اس کی تحقیق کے بعد کہا کہ اراضی مصر کے مالک فوت ہونے اور ان کے بیت المال کی طرف لوٹنے کی وجہ سے خراج ختم ہوگیا، تو اب کوئی انسان امام سے ایسی زمین خریدتا ہے تو وہ مالک بن جائیگا اور خراج نہیں ہوگا کیونکہ امام نے اس کا بدل مسلمانوں کے لیے حاصل کرلیا ہے، اس کی تفصیل تحفہ مرضیہ میں ہے اھ ہاں اس رسالہ میں عشر کا ذکر ہے کہ عشر بھی واجب نہیں کیونکہ اس میں نقل نہیں پائی گئی۔ میں کہتا ہوں یہ محلِ نظر ہے کیونکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ فرضیتِ عشر کتاب اللہ، سنّت، اجماع اور قیاس سے ثابت ہے اور اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ عشر اس زمین میں واجب ہے جو نہ عشری ہو اور

---

[1] ردالمحتار باب العشر والخراج والجزیۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۸۰
[2] درمختار " " " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۸

فیه بل الشرط ملك الخارج ولان العشر یجب فی الخارج لا فی الارض فکان ملك الارض و عدمه سواء کما فی البدائع ولا یلزم من سقوط الخراج سقوط العشر علی انه قد ینازع فی سقوط الخراج حیث کانت من ارض الخراج او سقیت بمائه الخ ملتقطا[1] وبواقی المسائل معروفة فی الدرر وغیرہ من الاسفار الغرّ وارض الهند علی سعتها لایبعد ان یوجد فیها تلك الصور کلها او جلها فالمصیر الی التبین فای ارض ثبتت فیها صورة اجری علیها حکمها من کونها خراجیة او عشریة اولا ولا سبیل الی الجزم بحکم واحد من دون تحقیق وما یتوهم من ان القاسم بن محمد الثقفی افتتحها عنوة سنة ثلث وتسعین[2] کما فی الفتح والبنایة ولم یعلم قسمتها بین المسلمین فوجب کونها خراجیة فلیس بمغن ولا مجد کیف وان قاسما لم یفتح منها الا شیئا نزرا یسیرا من احدی نواحیها مما یلی ملتان والافتتاح عنوة لاتستلزم الخراجیة کما

نہ خراجی، مثلاً جنگل اور پہاڑ کی زمین، اور یہ بھی تصریح ہے کہ ملکیت اس پر شرط نہیں بلکہ زمین سے حاصل ہوئی چیز کی ملکیت شرط ہے اور اس لیے بھی کہ عشر حاصل شدہ میں لازم ہوتا ہے نہ کہ زمین میں، لہٰذا زمین کی ملکیت اور عدمِ ملکیت برابر ہے البدائع، اور سقوطِ خراج سے سقوطِ عشر لازم نہیں آتا، علاوہ ازیں سقوطِ خراج میں بھی اختلاف ہے جبکہ وہ زمین خراجی ہو یا خراجی پانی سے سیراب ہو الخ اختصاراً۔ باقی مسائل درمختار اور دیگر کتب میں معروف ہیں۔ ہندوستان کی زمین نہایت وسیع ہے اس میں مذکورہ تمام صورتوں یا اکثر کا پایا جانا بعید نہیں لہٰذا یہ حکم لگانے کے لیے کہ یہ عشری ہے یا خراجی یا نہ عشری ہے نہ خراجی۔ زمین کا تعین ضروری ہے کہ کون سی زمین کا معاملہ درپیش ہے تحقیق کے بغیر یقینی طور پر ایک حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اور جو یہ وہم کیا گیا ہے کہ قاسم بن محمد الثقفی نے ۹۳ھ کو ہندوستان کی زمین بطور غلبہ حاصل کی تھی جیسا کہ فتح اور بنایہ میں ہے اور یہ معلوم نہیں کہ انھوں نے مسلمانوں کے درمیان اسے تقسیم کیا تو اب اس کا خراجی ہونا ضروری ہے، یہ وہم نہ کافی ہے اور نہ قوی، اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے کیونکہ قاسم نے بہت تھوڑا سا حصہ فتح کیا تھا جو ہندوستان کے ایک گوشہ ملتان کے ساتھ متصل تھا اور بطور غلبہ حصول زمین اس کے خراجی ہونے کو مستلزم نہیں جیسا کہ آپ نے جان لیا ہے تو جس طرح

---

[1] ردالمحتار باب العشر والخراج والجزیة مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۶۹

[2] فتح القدیر باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۸۰

علمت وكما لم يعلم قسمتها بيننا كذلك
لم يثبت المن بها على اهلها فكيف يحكم
بايجاب الخراج على المسلمين مع عدم ثبوت
موجبه الا يمكن ان تكون الارض مما ابقى
للمسلمين بل لعله الظاهر من صنيع السلاطين
فاذن لاتكون فی اصل الوضع عشرية
ولا خراجية وما كان منها بايدی الناس
يتملكونها ويتوارثونها، يحكم بانها مملوكة
لهم ويحمل على ان منها ما كان مواتا
فاحييت ومنها ما انتقل اليهم بوجه
صحيح من بيت المال وبعد هذا لا تكون
خراجية قطعا لانها لم تكن فی بدء امرها
منها ولا يوضع الخراج على مسلم بدأ وتكون
عشرية على ما حققه فی رد المحتار وفارغة
الوظيفتين فی الصورة الثانية على ما فی التحفة
المرضية وغنية ذوی الاحكام والدر المختار،
قال ابن عابدين عدم ملك الزراع غير معلوم
لنا الا فی القرى والمزارع الموقوفة او
المعلوم كونها لبيت المال اما غيرها
فنراهم يتوارثونها جيلا بعد
جيل وفی الخيرية اذا ادعى
واضع اليد الذی تلقاها
شراء اوارثا اوغيرها من اسباب

مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنا معلوم نہیں اسی طرح
ان باشندوں کو بطور حسن سلوک دینا بھی تو ثابت نہیں،
تو عدم ثبوت مقتضی کے باوجود مسلمانوں پر وجوب اخراج
کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے البتہ ایسا ممکن بلکہ مسلمان
سلاطین سے زیادہ ظاہر یہی ہے کہ انھوں نے یہ زمین
مسلمانوں کے لیے رکھی ہو تو اب اصل مصرف کے اعتبار
سے نہ یہ عشری ہے اور نہ خراجی، اور جو زمین مسلمانوں
کے قبضہ میں ہو وہی اس کے مالک و وارث ہوں تو
وہاں اس زمین کو انھی کی مملوکہ کہا جائے گا اور یہی سمجھا
جائے گا ان میں سے کچھ زمین غیر آباد تھی اسے مسلمانوں
نے آباد کرلیا اور کچھ انکی طرف بیت المال سے بطریق صحیح
آئی ہے، اس کے بعد تو وہ قطعاً خراجی نہ ہوگی کیونکہ
ابتداءً وہ خراجی نہیں ہوسکتی اور نہ ہی کسی مسلمان پر ابتداءً
خراج لازم ہوسکتا ہے اور وہ عشری ہوگی جیسا کہ اس
کی تفصیل رد المحتار میں ہے، اور دوسری صورت میں
دونوں وظیفوں (عشر وخراج) سے فارغ ہوگی جیسا کہ
تحفہ مرضیہ، غنیہ ذوی الاحکام اور درمختار میں ہے:
ابن عابدین کہتے ہیں کہ ہمیں قری اور وقف شدہ کھیتوں
کے علاوہ عدم ملک زراع کا علم نہیں یا ہمیں معلوم ہے
کہ یہ زمین بیت المال کی ہے، اس کے علاوہ زمین کے
مسلمان ہر دور میں وارث بنتے اور خرید و فروخت کرتے
چلے آرہے ہیں، خیریہ میں ہے کہ قبضہ کرنے والا جب
کوئی دعوی کرے کہ یہ زمین مجھے شراءً یا وراثۃً یا دیگر کسی

14

الملك انها ملكه فالقول له اوعلی من یخاصمه فی الملك البرهان اھ وقد قالوا ان وضع الید والتصرف من اقوی مایستدل به علی الملك ولذا تصح الشهادة بانه ملکه وفی رسالة الخراج لابی یوسف لیس للامام ان یخرج شیئا من ید احد الا بحق ثابت معروف اھ والائمة اذا قالوا فی الکنائس المبنیة للکفر انها کانت فی بریة فاتصلت بها عمارة المصر فاولی ان یقولوا ببقاء تلك الاراضی بید من هی تحت ایدیهم باحتمال انها کانت مواتا فاحییت او انها انتقلت الیهم بوجه صحیح[1] اھ ملتقطا الی اٰخر ما اطال واطاب واوضح الصواب اما ما قال فی اٰخره والحاصل فی الاراضی الشامیة والمصریة ونحوهاان ما علم منها کونه لبیت المال بوجه شرعی فحکمه ما ذکره الشارح عن الفتح (ای سقط الخراج والماخوذ اجرة) ومالم یعلم فهو ملك لاربابه والماخوذ منه خراج لا اجرة

سبب ملک کے ذریعے حاصل ہوئی ہے تو وہ اس کی ملک ہوگی اور اسی کا قول معتبر ہوگا یا جو اس کے ساتھ ملکیت میں مخاصمت کرے اس پر دلیل کالانا ہوگا اھ اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ قبضہ اور تصرف ملکیت پر قوی دلیل بنتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس کے مالک ہونے پر شہادت دینا صحیح ہوتا ہے، امام ابویوسف کی کتاب الخراج میں ہے کہ کسی حاکم کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی کے قبضہ سے کوئی شَے خارج کرے ماسوائے اس صورت کے جب دُوسرے کا حق ثابت ومعروف ہو اھ اور ائمہ نے ان گرجوں کے بارے میں تصریح کی ہے جو کفار کی خاطر بنائے گئے. وُہ ایسے بیابان میں تھے جو شہر کی عمارتوں سے متصل ہے تو یہاں اولٰی یہی کہنا ہے کہ زمین انہی کی ملکیت میں باقی رہے گی جن کے وہ قبضہ میں ہے کیونکہ ممکن ہے وُہ زمین غیر آباد ہو اور ان لوگوں نے اسے آباد کیا یا وہ ان لوگوں کی طرف بطریق صحیح منتقل ہُوئی ہو اھ یہ ان کی طویل، خوبصورت اور صواب کو واضح کرنے والی عبارت کا خلاصہ ہے، اور اس کے آخر میں یہ جو کہا کہ شام، مصر اور ان کی طرح دیگر علاقوں کی اراضی کے بارے میں اگر یہ علم ہو کہ بطریق شرعی بیت المال کو حاصل ہُوئی ہیں تو ان کا حکم وہی ہے جس کا ذکر شارح نے فتح سے کیا (یعنی خراج ساقط ہوجائے گا اور جو حاصل کیا جائے گا وُہ اجرت ہوگی) اور جن زمینوں کا علم نہیں وہ ان کے مالکوں کی ہی ہوں گی اور اس سے خراج

---

[1] ردالمحتار باب العشر والخراج والجزیۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۸۰

لانہ خراجی فی اصل الوضع[۱] اھ فقد ابان ان الوجہ کونہا خراجیۃ فی بدء الامر لما قدم فی ھذا البیان مستندا للامام الثانی ان ارض العراق والشام ومصر عنویۃ خراجیۃ ترکت لاھلہا الذین قہروا علیہا[۲] اھ وقال قبلہ قال ابویوسف فی کتاب الخراج ان ترکہا الامام فی ایدی اھلہا الذین قہروا علیہا فحسن فان المسلمین افتتحوا ارض العراق والشام ومصر ولم یقسموا شیئا من ذلک بل وضع عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ علیہا الخراج ولیس فیہا خمس[۳] اھ فہذا ما قال انہ خراجی فی اصل الوضع اما ما نحن فیہ اذ لم یثبت ذلک لا یمکن جعلہا خراجیۃ بالاحتمال وایجابہ علی المسلمین الذین لیسوا من اھلہ بتصریح ذوی الکمال ھذا ما ظہرلی واللہ تعالٰی اعلم بحقیقۃ الحال ثم رأیت فی الفتاوی العزیزیۃ نقل عن رسالۃ مولٰنا الشیخ الجلیل جلال التھانیسری

وصول کیا جائے گا نہ کہ اُجرت، کیونکہ اصلاً یہ زمین خراجی ہے اھ تو آپ واضح کیا کہ ابتداءً ہی ان کے خراجی ہونے کی وجہ وہی ہے جس کو پہلے بیان کیا جو امام ثانی کی دلیل ہے کہ عراق، شام اور مصر کی زمینیں بطور غلبہ حاصل ہوتی ہیں اور خراجی ہیں کیونکہ انھیں اس کے ان سابقہ باشندوں کو دے دیا گیا جن سے بطور غلبہ حاصل کی گئی تھی اھ اس سے پہلے لکھا کہ امام ابویوسف نے کتاب الخراج میں فرمایا اگر حاکم نے انھیں لوگوں کے پاس زمین رہنے دی جن سے بطور غلبہ حاصل کی تھی تو یہ بہت اچھا کیا کیونکہ مسلمانوں نے عراق، شام اور مصر کی زمینیں حاصل کیں تو انھیں تقسیم نہ کیا بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان زمینوں پر خراج لگایا اور ان میں خمس نہ رکھا گیا اھ یہ وہی ہے جس کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ یہ اصل کے اعتبار سے خراجی ہیں مگر وہ جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں جب تک ثابت نہ ہو ان کا احتمال کی بنیاد پر خراجی قرار دینا اور مسلمانوں پر ایسی چیز کا وجوب جس کے وہ بقول صاحب کمال کے اہل نہیں ممکن نہیں، یہ مجھ پر ظاہر ہوا ہے اور حقیقتِ حال سے اللہ تعالٰی زیادہ واقف و آگاہ ہے پھر میں نے فتاوٰی عزیزیہ میں دیکھا کہ انھوں نے مولانا شیخ جلال الدین تھانیسری قدس سرہ السری کے رسالہ

---

[۱] ردالمحتار	باب العشر والخراج والجزیۃ	مصطفی البابی مصر	۲/۲۸۲
[۲] ″	″ ″ ″ ″	″	۲/۲۸۱
[۳] ″	″ ″ ″ ″	″	۲/۲۷۹

قدس سرہ السری ما نصہ بالعجمیۃ زمین ہندوستان در ابتدائے فتح مانند سواد عراق کہ در عہد حضرت فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ مفتوح شدہ بود موقوف بر ملک بیت المال است و زمینداراں رابیش از تولیت و داروغگی تردد و فراہم آوردن مزارعین و اعانت و زراعت و حفظ دخلے نیست چنانچہ لفظ زمیندار نیز اشعارے بآں می کند و تغیر و تبدل زمینداری عزل و نصب زمینداران و اخراج بعضے از آنہا و اقرار بعضے و عطائے بعض آراضی بافغانان و بلوچاں و سادات و قدوائیاں بصیغہ زمینداری دلالت صریحہ بریں می کند پس دریں صورت جمیع اراضی ہندوستان مملوک بیت المال گشت و بعقد مزارعت علی النصف او اقل منہ در دست زمینداران[1] فھذا اصریح فیما استظھرناہ من ان الفاتحین لم یقسموھا ولم یمنوا بھا بل ابقوھا ملکا للمسلمین و الحکم فیہ ما بیناہ و ذکرہ رحمہ اللہ تعالٰی فی سواد العراق فمختار الائمۃ الشافعیۃ کما بینہ فی رد المحتار اما عندنا فممنون بھا علی اھلھا ولا یضرنا الکلام فی التمثیل فعلی ھذا اما بایدی المسلمین

سے نقل کیا جو فارسی الفاظ میں یوں ہے:
ہندوستان کی زمین ابتداءً اسی طرح فتح ہوئی جس طرح عراق کی زمین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دور میں فتح ہوئی تھی، یہ بیت المال کی ملکیت میں بطور وقف رہے گی اور زمینداروں کا اس سے زیادہ دخل نہیں کہ وہ ان زمینوں کے متولی، منتظم، مزارعین مہیا کرنے اور بیت المال کے لیے تعاون، زراعت اور نگرانی کرنے والے ہیں، جیسا کہ لفظ زمیندار بھی اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے زمینداری میں تغیر و تبدل، اور انھیں معزول و مقرر کرنا، ان میں سے بعض کا رکھنا اور بعض کا نکالنا، افغانیوں، بلوچوں، سادات اور قدوائیوں کو لفظ زمینداری کے ساتھ بعض زمینوں کا دینا بھی اسی پر تصریح ہے لہذا اس صورت میں ہندوستان کی تمام زمین بیت المال کی ملکیت ہے، نصف یا اس سے اقل پر مزارعت کے عقد کے ذریعے زمیندار کے قبضہ میں ہوگی۔ یہ تمام اس پر تصریح ہے جیسے ہم نے اختیار کیا کہ فاتحین نے جن زمینوں کو نہ تقسیم کیا نہ وہاں کے باشندوں کو دیں بلکہ انھیں مسلمانوں کی ملکیت میں رکھا تو ان کا وہی حکم ہے جو ہم نے بیان کر دیا ہے، اور مذکور شیخ رحمہ اللہ تعالٰی نے عراق کی زمین کے بارے میں جو کہا تو یہ ائمہ شوافع کا مختار ہے جیسا کہ رد المحتار میں بیان ہوا ہے اور ہمارے نزدیک تو وہ زمین وہاں کے باشندوں کو بطور احسان دے دی گئی تھی البتہ بطور مثال لانا

---

[1] فتاوٰی عزیزی مسئلہ اراضی عطائے سلطانی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۴۳

من الاراضی لاتجعل الاعشریة مالم یثبت فی شیئ منہا کونہا خراجیة بوجہ شرعی واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

ہمیں نقصان وہ نہیں تو اب اس ضابطہ پر جو زمین مسلمانوں کے قبضہ میں ہوگی وہ عشری ہی ہوگی مگر اس صورت میں جب اس کے خراجی ہونے پر کوئی وجہ شرعی موجود ہو واللہ سبحانہٗ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)